ظ

ظ ع ن

ظَعَنَ - يَظْعَنُ - ظَعْنًا ۔ کسی مقصد کے لئے سفر کرنا ۔ پانی کے لئے ، چراگاہ کی تلاش میں ، ایک چشمہ سے دوسرے چشمے کی طرف یا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جانا ۔ ظَاعِنٌ ۔ سفر میں جانے والا ، مسافر ۔ اَلظَّعِيْنَةُ ۔ وہ ہودج جس میں کوئی عورت سوار ہو ۔ یا خود وہ عورت جو اس میں سوار ہو ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ لفظ کنایۃً عورت کے لئے بولا جاتا ہے خواہ وہ ہودج میں نہ ہو ۔ اَلظَّعُوْنُ ۔ وہ اونٹ جسے سفر کے لئے تیار کیا جائے ۔ (ابن فارس) ۔ اَلظِّعْنَةُ ۔ حالت سفر* ۔ سورۃ نمل میں ہے یَوْمَ ظَعْنِكُمْ (۱۶/۸۰) سفر کے دن ۔ (بمقابلہ اِقَامَةٌ) ۔

ظ ف ر

اَلظُّفْرُ ۔ اَلظُّفُرُ ۔ انسانوں اور دوسرے جانوروں کا ناخن ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ غیر شکاری جانوروں کے ظُفْرٌ ہوتے ہیں اور شکاری جانوروں کے مِخْلَبٌ (پنجہ) ۔ اَلْاَظْفَرُ ۔ لمبے چوڑے ناخنوں والا ۔ ظَفَرَهٗ ۔ اس نے اس کے (چہرے میں) ناخن گاڑ دیا ۔ اَلظُّفْرَةُ ۔ ایک پودا جو زمین سے نکلتے وقت ناخن کے مشابہ ہوتا ہے** ۔

قرآن کریم میں ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ (۶/۱۴۷) ۔ اور ہم نے یہودیوں پر تمام ناخن دار جانور حرام کر دئے تھے ۔ یہ ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا کے تھا (جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ (۶/۱۴۷)) ۔ قرآن کریم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان میں ذِی ظُفُرٍ کا ذکر نہیں ۔

اَلظَّفَرُ ۔ کامیاب ہونا ۔ مطلوب کو پا لینا** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ مفہوم دراصل ناخن گاڑ دینے سے لیا گیا ہے (اس لئے کہ جس چیز میں پنجہ

*تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔ **تاج ۔ محیط ۔

گاڑ دیا جائے وہ قبضہ میں آجاتی ہے)***۔ اَلْاِظْفَارُ۔ کامیاب کر دینا ۔ سورۃ فتح میں ہے مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْھِمْ (۴۸/۲۴) ۔ اس کے بعد کہ تمہیں انپر غالب کر دیا ۔ ان کے مقابلے میں کامیاب بنا دیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں قہر ۔ کامیابی ۔ غلبہ اور قوت شامل ہیں ۔

ظ ل ل

اَلظِّلُّ ۔ (جمع ظِلَالٌ) سایہ ۔ دھوپ نہ ہونا ۔ عام طور پر جو سایہ مغرب کی طرف پڑے (یعنی زوال آفتاب تک کے وقت کا سایہ) وہ ظِلٌّ کہلاتا ہے اور جو مشرق کی طرف پڑے (یعنی زوال آفتاب کے بعد مغرب تک کے وقت کا سایہ) اسے فَیْءٌ کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز کو چھپا لینا ۔

چونکہ عرب کا ملک نہایت گرم ہے اور درختوں کی وہاں بہت کمی ہے اس لئے ان کے ہاں سایہ ، راحت و آسائش کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے ۔ اس بنا پر وہ راحت وآسائش کی ہر چیز کو کنایۃً ظِلٌّ سے تعبیر کرتے ہیں** ۔ حتیٰکہ جنت کو بھی ظِلٌّ کہتے ہیں ۔ اور عزت ۔ حفاظت ۔ ہر قسم کی خوش حالی اور مرفہ الحالی کو بھی ۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ (۷۷/۴۱) ۔ ظِلًّا ظَلِیْلًا ۔ گھنا سایہ ۔ بہت زیادہ آسائشیں (۴/۵۷) ۔ اُکُلُھَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّھَا (۱۳/۳۵) ۔ ھُمْ وَ اَزْوَاجُھُمْ فِیْ ظِلٰلٍ (۳۶/۵۶) میں زندگی کی آسائشیں اور خوشگواریاں مراد ہیں ۔ اَظَلَّنِیْ فُلَانٌ کے معنے ہیں اس نے مجھے اپنے زیر سایہ لے لیا ۔ اس نے میری حفاظت کی اور بڑی عزت سے رکھا* ۔

ظِلٌّ ۔ ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے ۔ ہر وہ چیز جو کسی کو ڈھانک لے اور اس پر سایہ فگن ہو ۔ یہ اچھے اور برے دونوں موقعوں کے لئے عام ہے*** ۔ اَلظِّلَالُ مِنَ الْبَحْرِ ۔ سمندر کی بڑی بڑی موجیں ۔ اَلظَّلَلُ وہ پانی جو درختوں کے سایہ تلے ہو* ۔ ظُلَّۃٌ (جمع ظُلَلٌ)۔ ہر ڈھانپ لینے والی چیز* ۔ نیز بدلی جو سایہ ڈالے* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کا استعمال ناخوشگوار مواقع پر ہوتا ہے ۔ چنانچہ قوم شعیب کے عذاب کےمتعلق ہے ۔ فَاَخَذَھُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃِ (۲۶/۱۸۹) ۔ انہیں اس دن کے عذاب نے پکڑ لیا جب اوپر سے آجانے والی چیز نے انہیں ڈھانپ لیا تھا ۔ جس دن ان کے اعمال کے نتائج ان پر پوری طرح چھا گئے تھے ۔

---

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

ظَلَّ يَفْعَلُ كَذَا کے معنی ہیں وہ ہمیشہ ایسا کرتا رہا* ۔ سورۃ شعراء میں ہے کہ قوم حضرت ابراہیمؑ نے کہا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ (۲۶/۷۱) ۔ ہم ہمیشہ ان (بتوں) کی پرستش کرتے رہیں گے ۔ سورۃ النحل میں ہے کہ جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا (۱۶/۵۸) ۔ اس کا چہرا سیاہ ہو جاتا ہے ۔ سورۃ الحجر میں ہے ، وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ (۱۵/۱۴) ۔ ''اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پھر وہ اس میں چڑھنے لگیں'' ۔ ان مثالوں میں مداومت اور استمرار کا پہلو غالب ہے ۔ یعنی ہمیشہ ایسا ہوتا ہے یا ایسا ہوگا ۔ اس کی بعض شکلوں میں ایک ہی لام رہ جاتا ہے ۔ مثلاً فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (۵۶/۶۵) ''تم پشیمان ہو جاؤ گے'' ۔

ظِلٌّ بمقابلہ حَرُوْرٌ (گرمی) ۔ (۳۵/۲۱) میں آیا ہے ۔ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ (۳۹/۱۶) ۔ آگ کے شعلوں کو کہا گیا ہے جو چھا جائیں یا ڈھانپ لیں ۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (۲۶/۴) کے معنی ہیں ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں ۔

ظ ل م

ظُلْمٌ کے بنیادی معنی ہیں کسی دوسرے کی ملکیت میں بے جا تصرف کرنا ۔ حد سے تجاوز کرنا ۔ بعض آئمہ لغت نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نقص اور کم کرنے کے آتے ہیں ۔ اور امام راغب نے کہا ہے کہ ظُلْمٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی زیادتی کرکے یا اسے اس کے صحیح وقت اور اصلی جگہ سے ہٹا کر ۔ کسی چیز کا توازن بگاڑ دینا** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) تاریکی (۲) حد سے تجاوز کرکے کسی چیز کو بے جگہ رکھ دینا ، بتائے ہیں ۔

پہلے معنی (یعنی کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا) کے اعتبار سے مَظْلِمَةٌ اس چیز کو کہتے ہیں جسے کوئی زبردستی دوسرے سے چھین کر لے جائے ۔ اَلظَّالِمُ (جمع اَلظَّالِمُوْنَ اَلظَّالِمِيْنَ الظَّلَمَةُ) ان لوگوں کو کہتے ہیں جو دوسروں کے حقوق کو دبالیں*** ۔

ظَلَمَ فُلَانًا حَقَّهٗ، فلاں کا حق کم کیا ۔ اسی سے ہے لَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا (۱۸/۳۳) ۔ اور انہوں نے اس میں کچھ کمی نہیں کی*** ۔ اس نہج سے ظَالِمٌ کے معنی ہیں حقوق انسانیت میں کمی کرنے والا ۔ دوسروں کے واجبات کو پورا پورا نہ دینے والا ۔

* محیط **تاج و محیط و راغب ۔ ***تاج ۔

کسی چیز کو اس کے اصلی مقام پر نہ رکھنے کے معانی میں یہ لفظ عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً عربوں میں ایک مثل ہے کہ مَنِ اسْتَرْعَی الذِّئْبَ فَقَدْ ظَلَمَ۔ جس نے بھیڑئے سے توقع کی کہ وہ گلہ کی نگہبانی کرے گا، اس نے ظلم کیا۔ یعنی بھیڑئے کو اس کے صحیح مقام پر نہیں رکھا۔ یا ظَلَمَ الْاَرْضَ اس وقت کہتے ہیں جب زمین کو ایسے مقام سے کھودا جائے جہاں سے اسے کھودنا نہیں چاہئے تھا۔ اس قسم کی زمین کو مَظْلُوْمَۃٌ کہتے ہیں۔ ظَلَمَ الْبَعِیْرَ۔ اس نے اونٹ کو بغیر کسی بیماری کے یونہی ذبح کر دیا۔ ظَلَمَ الْوَادِیْ اس وقت کہتے ہیں جب پانی اس مقام تک پہنچ جائے جہاں تک وہ اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا۔ (اس اعتبار سے ظُلْمٌ کے معنی حدود شکنی اور تجاوز کے ہوں گے)۔ نیز ظَلَمْتُہٗ کے معنے ہیں میں نے اسے وقت سے پہلے ہی استعمال کر لیا۔ الظَّلِیْمَۃُ والمَظْلُوْمَۃُ اس دودھ کو کہتے ہیں جسے جمنے کے لئے رکھا جائے اور دھی بننے سے قبل ہی پی لیا جائے *۔

اَلظُّلْمَۃُ اور اَلظُّلُمَۃُ کے معنے ہیں اندھیرا۔ تاریکی۔ (جمع ظُلُمٰتٌ)۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہوتے ہیں روشنی کا معدوم ہونا (یعنی اس جگہ روشنی کا نہ ہونا جس کو روشن رہنا چاہئے تھا)*۔ اس نہج سے اَمْرٌ مُظْلِمٌ اس معاملہ کو کہتے ہیں جسکے متعلق معلوم ہی نہ ہوسکے کہ اسے کہاں سے گرفت میں لیا جائے۔ یعنی تاریک اور غیر واضح معاملہ، اور یَوْمٌ مُظْلِمٌ اس دن کو کہتے ہیں جس میں سخت مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ چنانچہ ظُلُمَاتُ الْبَحْرِ کے معنی ہیں شَدَائِدُ الْبَحْرِ (سمندر کی مشکلات)*۔ شَعْرٌ مُظْلِمٌ نہایت سیاہ بالوں کو کہتے ہیں، اور نَبْتٌ مُظْلِمٌ ایسے پودے کو جو گہری سبزی کی وجہ سے سیاہی کے قریب پہنچ جائے *۔

قرآن کریم میں ظَالِمِیْنَ کا لفظ بکثرت آیا ہے جس کے معنی ہیں قانون شکنی، حدود فراموشی، دوسروں کی ملکیت پر ناجائز تصرف کرنے والے، حقوق انسانیت میں کمی کرنے والے، دوسروں کے واجبات کو پورا پورا ادا نہ کرنے والے، دوسروں کی محنت کو اپنے مصرف میں لے آنے والے، دوسروں پر زیادتی کرنے والے، اور اس طرح اپنی ذات کی نشو و نما میں کمی کرنے والے۔

سورہ بقرہ میں ہے وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ($\frac{2}{272}$)۔ تم اپنے مال میں سے جسقدر بھی نوع انسانی

---

*تاج -

کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھو گے وہ پورا پورا تمہاری طرف لوٹا دیا جائیگا۔ یعنی جو کچھ تم نے دیا ہے اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائیگی۔ یہاں لَا تُظْلَمُوْنَ کا مفہوم یُوَفَّ اِلَیْکُمْ نے واضح کر دیا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ہے۔ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ($\frac{2}{281}$)۔ یہاں بھی تُوَفّٰی کے مقابلہ میں لَا یُظْلَمُوْنَ لا کر بات واضح کر دی۔ سورہ کہف میں باغات کی مثال میں ہے۔ آتَتْ اُکُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَیْئًا ($\frac{18}{33}$)۔ وہ اپنے پھل (پورے پورے) دیتے تھے اور اس میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔

سورہ بقرہ میں ہے۔ مَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ($\frac{2}{229}$)۔ جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظَالِمٌ ہیں۔ ظَالِمِیْنَ کی یہ بڑی جامع تعریف (Definition) ہے۔ اس لئے کہ انسانیت کے حقوق کا تعین، قوانین خداوندی ہی کی رو سے ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص ان قوانین کو توڑتا ہے وہ حقوق انسانیت میں غصب کرتا ہے۔ لہذا حدود اللہ (قوانین خداوندی) کو توڑنے والا ظَالِمٌ ہے کیونکہ وہ حقوق انسانیت میں کمی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا کہ جو حقوق انسانیت میں کمی کرتا ہے وہ سمجھتا تو یہ ہے کہ میں دوسروں کی کسی چیز میں کمی کر رہا ہوں اور اپنے ہاں اضافہ۔ لیکن درحقیقت وہ شخص خود اپنی ذات (نفس) کی نشوونما میں کمی کرتا ہے۔ وَلٰکِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ ($\frac{3}{116}$)۔

چونکہ حقوق انسانیت میں کمی کر دینے سے معاشرہ کا توازن بھی بگڑ جاتا ہے اور خود انسانی ذات کا توازن بھی قائم نہیں رہتا اس لئے قرآن کریم میں ظُلْمٌ کو سُوْءٌ کا مرادف قرار دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں حُسْنًا کا لفظ آیا ہے ($\frac{27}{11}$)۔ "حسن" تناسب و توازن کی بہترین شکل کا نام ہوتا ہے۔

سورہ بقرہ میں نُوْرٌ کے مقابل میں ظُلُمٰتٌ کا لفظ آیا ہے ($\frac{2}{17}$) جس کے معنی تاریکیاں ہیں۔ نُوْرٌ وحی خداوندی ہے اور ظُلُمَاتٌ ذہن انسانی کی پیدا کردہ توہم پرستیاں اور غلط اندیشیاں۔ وحی کی تعلیم ایک ہی ہوتی ہے، لیکن ذہن انسانی کی پیدا کردہ تاریکیاں مختلف قسموں کی ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نُوْرٌ کی جمع کہیں نہیں آئی لیکن ظُلُمَاتٌ بطور جمع آیا ہے۔ حقیقت ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ افسانے مختلف ہوتے ہیں۔

آیت (۳/۲) میں أَضَاءَ کے مقابلہ میں أَظْلَمَ کا لفظ آیا ہے۔أَظْلَمَ کے معنی ہیں تاریک ہو جانا اور تاریک کر دینا۔ نیز تاریکی میں داخل ہو جانا۔چنانچہ مُظْلِمُوْنَ کے معنی ہیں اندھیرے میں رہ جانے والے (۳۶/۳۷)۔سورۂ انبیاء میں ظُلُمٰتٌ کا لفظ ایسے مصائب و مشکلات کے معنوں میں آیا ہے جن کا حل انسان کو سجھائی نہ دے (۲۱/۸۷)۔

سورہ ابراہیم میں ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (۱۴/۳۴)۔ یعنی انسان اگر وحی کے تابع نہ چلے بلکہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا رہے تو اسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کو غصب کرتا ہے اور جو کچھ اسے حاصل ہو جاتا ہے اسے دبا دبا کر، چھپا چھپا کر رکھتا ہے۔ اس کے برعکس، وحی کی تعلیم یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں حاصل ہو اسے نوعِ انسانی کی پرورش کیلئے کھلا رکھو اور کسی کے حقوق میں کمی نہ کرو۔ ظَلُوْمٌ میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یعنی بہت زیادہ ظلم کرنے والا۔ اسی طرح ظَلَّامٌ کے بھی یہی معنی ہیں۔ (۳/۱۸۱)۔ قطعاً ظلم نہیں کرتا۔

دنیا میں جہاں جہاں ظلم ہو رہا ہو، خواہ اسکی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس ظلم کو مٹانا اور اسکی جگہ نظام عدل و احسان قائم کرنا، یہ ہے قرآنی تعلیم کا منشا۔

ظ م أ

ظَمِئَ۔ يَظْمَاُ۔ ظَمْئًا۔ ظَمَاً۔ پیاسا ہونا۔ یا سخت پیاسا ہونا۔ ظَمِئٌ۔ ظَمْآنٌ۔ پیاسا (۲۴/۳۹)۔ ظَمَاٌ۔ پیاس (۹/۱۲۰)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مرجھا جانے اور کم آب ہو جانے کے ہیں۔ "آدم" کی جنت کے متعلق ہے کہ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا (۲۰/۱۱۸)۔ تو اس میں پیاس محسوس نہیں کرتا۔ پانی بافراط ملتا ہے۔ پانی کی کمی اور فراوانی کی اہمیت کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس کا اندازہ صحراؤں کے رہنے والے ہی لگا سکتے ہیں جن کی زندگی کا دارو مدار پانی پر ہوتا ہے۔ ان کے لئے پانی کی قلت سب سے بڑی مصیبت اور پانی کی فراوانی سب سے بڑی خوش حالی ہوتی ہے۔ جنتی معاشرہ میں کسی کو بنیادی ضروریات زندگی (کھانا پینا۔ لباس۔ مکان وغیرہ) کے لئے جگر پاش مشقتیں نہیں اٹھانی پڑتیں، نہ ہی ان سے کوئی محروم رہتا ہے۔ (۲۰/۱۱۸)۔ اَلظِّمْءُ۔ دو مرتبہ پانی پینے کے درمیان کا وقفہ *۔

* تاج و راغب۔

ظ ن ن

ظَنٌّ۔ (جمع ظُنُوْنٌ)۔ غیر یقینی عقیدہ کے دونوں سروں میں سے جو زیادہ قوی ہو اسے ظَنٌّ کہتے ہیں۔ ظَنٌّ واضح اور صاف صاف یقین نہیں ہوتا۔ صاف یقین کو عِلْمٌ کہتے ہیں۔ مناوی نے کہا ہے کہ ظنٌّ اس راجح عقیدہ کو کہتے ہیں جس میں احتمالِ نقیض ہو۔ نیز یہ شک اور یقین دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ اور ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی یہ دونوں لکھے ہیں۔ راغب نے کہا ہے کہ کسی چیز کے علامات سے جو نتیجہ (Inference) حاصل کیا جائے اسے ظَنٌّ کہتے ہیں۔ جب یہ علامات قوی ہوں تو نتیجہ سے عِلْمٌ کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور جب بہت کمزور ہوں تو ان سے مستنبط نتیجہ وہم سے آگے نہیں بڑھتا۔ لیکن جوہری نے کہا ہے کہ کبھی کبھی یہ لفظ علم کی جگہ بھی استعمال ہو جاتا ہے *۔

آپ نے اوپر دیکھا ہے کہ اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ ظن کا لفظ ایک طرف شک اور قیاس کے معنوں میں آتا ہے اور دوسری طرف علم اور یقین کے معنوں میں۔ لیکن یہ ان لوگوں کی محض خیال آفرینی اور قیاس آرائی ہے۔ قرآن کریم نے (جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا) ظن کا لفظ علم اور یقین اور حق کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے۔ اس لئے ظن کبھی علم اور یقین کے معنوں میں نہیں آسکتا۔ دراصل (جیسا کہ راغب نے کہا ہے) جب کسی حقیقت کے متعلق پورا یقین نہ ہو تو اس کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ انسان کبھی حقیقت کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی اس سے دور ہٹ جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ان دونوں پہلوؤں کو ظن کہتے ہیں۔ راغب نے یہ بھی کہا ہے کہ جب اس کے بعد اَنْ یا اَنَّ آئے تو اس میں علم کی طرف رجحان غالب رہتا ہے اور وہ تقریباً یقین کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسکی مثالوں کے لئے دیکھئے (۲/۴۶) ; (۲/۲۴۹) ; (۶۹/۲۰) وغیرہ۔

یقین اور قیاس کے ملے جلے پہلو کے اعتبار سے اَلظَّنُوْنُ اس باشرف عورت کو کہتے ہیں جس سے باوجود زیادہ عمر ہونے کے شادی کرلی جائے اور یہ امید ہو کہ اس سے اولاد ہو سکتی ہے۔ نیز اس کنویں کو کہتے ہیں جس کے متعلق معلوم نہ ہو کہ اس میں پانی ہے یا نہیں۔ نیز اس قرضے کو الدَّیْنُ الظَّنُوْنُ کہتے ہیں جس کے متعلق اطمینان نہ ہو کہ قرضہ لینے والا اسے ادا کریگا یا نہیں **۔

---

* تاج و راغب۔ ** تاج و محیط۔

قرآن کریم میں لفظ ظَنُّوْنَ قیاس آرائیوں کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (۳۳/۱۰)۔ ’’اور تم خدا کے بارے میں طرح طرح کے گمان اور قیاس آرائیاں کرنے لگ گئے‘‘۔ یعنی تمہارے دل میں یقین کے بدلے شکوک اور وساوس پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ سورۃ بقرہ میں ظَنٌّ بمقابلہ عِلْمٌ آیا ہے۔ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّا اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (۲/۷۸)۔ ’’وہ کتاب کو اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ محض (ناظرہ) پڑھ لیتے ہیں۔ وہ صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں‘‘۔ سورہ النساء میں ہے مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (۴/۱۵۷)۔ انہیں اسکی بابت یقینی علم نہیں، وہ محض ظن کے پیچھے چلتے ہیں۔ سورہ یونس میں ظَنٌّ بمقابلہ حَقٌّ آیا ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۱۰/۳۶) ظن، حق کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔

دین کی ساری عمارت علم اور یقین کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اگر کسی معاملہ کے متعلق آپ کو یقینی طور پر علم نہ ہو کہ اس کی بابت خدا کا کیا حکم ہے تو آپ کے اعتقاد و عمل کی ساری عمارت متزلزل رہیگی۔ اس لئے دین کا یقینی ہونا ضروری ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے اسی لئے لیا ہے (۱۵/۹) کہ ہمیں یقینی طور پر علم رہے کہ اس کا ایک ایک حرف وہی ہے جسے خدا نے نازل کیا تھا۔ رسول اللہؐ نے اسی قرآن کریم کو مرتب شکل میں امت کو دیا تھا اور اسکے علاوہ اور کچھ نہیں دیا تھا۔ اس لئے دین میں صرف قرآن کریم یقینی ہے۔ اور سب ظنیات ہیں۔ اور اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۱۰/۳۶) خدا کا ارشاد ہے۔ اس لئے قرآن کریم کے مقابلہ میں کوئی دوسری چیز دین نہیں ہو سکتی۔ دین وہی ہے جو قرآن کریم کے اندر ہے۔ خارج از قرآن، جو باتیں قرآن کریم کے مطابق ہوں انہیں صحیح مانا جا سکتا ہے اور جو اس کے خلاف ہوں وہ غلط ہونگی۔

اَلظَّنِيْنَةُ تہمت کو کہتے ہیں۔ اَلظَّنِيْنُ۔ متہم شخص، جس سے بدگمانی کی بنا پر عداوت رکھی جائے*۔

ظ ھ ر

اَلظَّهْرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ ہر چیز کا بیرونی اور بالائی حصہ (اندرونی حصہ کی ضد)۔ انسان کے جسم کا شانوں سے لیکر سرین کے اوپر تک کا حصہ

* تاج و محیط۔

پیٹھ ۔ پشت) ۔ سواری کو بھی کہتے ہیں ۔ اور مال کثیر کو بھی جو نمایاں طور پر نظر آجاتا ہے ۔ اَلظِّهْرَةُ ۔ مددگار ۔ پشت پناہ* ۔

ظِهْرِیٌّ وہ فالتو اونٹ جسے سفر میں احتیاطاً (بطور Extra) ساتھ رکھ لیا جاتا ہے کہ اگر کسی وقت ضرورت پڑ جائے تو اسے استعمال کرلیا جائے ۔ یعنی اس کی حیثیت مقدم نہیں ہوتی ، ثانوی ہوتی ہے ۔ اسی سے اس کے معنی کسی کو پس پشت ڈال دینے یا نظر انداز کر دینے کے آتے ہیں ۔ اِتَّخَذَ حَاجَتَهُ ظِهْرِیًّا ۔ اس کی ضرورت کو ناقابل توجہ سمجھا* ۔

ظَهَرَ الشَّیْءُ ۔ چیز ظاہر ہوگئی ۔ نمایاں ہوگئی ۔ ابھر کر سامنے آگئی ۔ واضح ہوگئی* ۔ ظَهَرَ عَلَیَّ ۔ اس نے میری مدد کی ۔ ظَهَرَ بِهِ ۔ ظَهَرَ عَلَیْهِ ۔ اس پر غالب آگیا ۔ ظَهَرْتُ الْبَیْتَ ۔ میں مکان کے اوپر چڑھ گیا ۔ ظَهَرَ عَلَى السِّرِّ ۔ وہ راز سے واقف اور مطلع ہوا ۔ أَظْهَرَهُ عَلَیْهِ اسے اس پر غالب کردیا ۔ اَلظُّهْرُ ۔ زوال آفتاب کا وقت ، یہ ظَهِیْرَةُ الشَّمْسِ (دھوپ کی سخت تپش اور حرارت) سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ سخت گرمی کا وقت ہوتا ہے* ۔ أَظْهَرَ ۔ ظہر کے وقت میں داخل ہونا ۔ ($\frac{۳۰}{۱۸}$) ۔ ظَاهَرَ و تَظَاهَرَ عَلَیْهِ ۔ اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی ۔ اَلظَّهِیْرُ ۔ مددگار ۔ (یہ واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے) اَلظِّهَارُ مِنَ الْمَرْأَةِ ۔ خاوند کا بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت ۔ عربوں میں زنا شوئی کے تعلقات منقطع کرنے کے لئے ایسا کہا جاتا تھا* ۔

ظَاهِرُ الْجَبَلِ ۔ پہاڑ کی چوٹی یا بالائی حصہ ۔ اَلظَّاهِرَةُ ۔ اونچی زمین* ۔ کسی چیز کے زیادہ ہونے ، عام ہونے اور پھیل جانے کو بھی ظَهَرَ کہتے ہیں** ۔

قرآن کریم میں ہے تَظَاهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ ($\frac{۲}{۸۵}$) ۔ تم ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو ۔ سورۃ المومن میں ہے ظَاهِرِیْنَ فِی الْأَرْضِ ($\frac{۴۰}{۲۹}$) ۔ ملک میں غالب قوم ۔ سورۃ زخرف میں ہے ۔ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ($\frac{۴۳}{۳۳}$) ۔ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں ۔ اورسورۃ نور میں ظَهِیْرَةً کا لفظ (گرمی کی) دوپہر کے لئے آیا ہے ($\frac{۲۴}{۵۸}$) ۔ سورۃ احزاب میں تُظَاهِرُوْنَ ($\frac{۳۳}{۴}$) کے معنی ہیں بیوی کے متعلق ظِهَار کا اعلان کر دینا ۔ اس کا اعادہ ($\frac{۵۸}{۲-۳}$) میں ہوا ہے ۔ سورۃ نور میں ہے لَمْ یَظْهَرُوْا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ($\frac{۲۴}{۳۱}$) ۔ وہ عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہیں ۔ سورۃ جن

*تاج ۔ **راغب ۔

میں ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا (۷۲/۲۶) - وہ اپنے غیب سے کسی کو مطلع نہیں کرتا - سورة بقرہ میں اَبْوَابٌ (دروازوں) کے مقابلہ میں ظُهُوْرٌ (پچھواڑے) آیا ہے (۲/۱۸۹) - یعنی مکان کی پشت کی طرف سے -

قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا (۲۴/۳۱) - وہ اپنی زینت (آرائش) کی چیزوں کی نمائش نہ کریں، بجز ان کے جو (خود بخود) ظاہر ہو جائیں - اسے مثال دیکر یوں سمجھا دیا کہ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (۲۴/۳۱) - اور وہ اپنے پاؤں کو (زمین پر) اس طرح مار کر نہ چلیں کہ جو کچھ وہ اپنی زینت کی اشیاء سے چھپائے ہوئے ہیں ان کا دوسروں کو علم ہوجائے - ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ آوازدار زیور ہے جسے پنڈلیوں پر پہنا جاتا ہے اور جو معمولاً ڈھنپا رہتا ہے - اس کی نمود کا طریق یہ ہے کہ زمین پر زور سے پاؤں مار کر چلا جائے جس سے اس زیور (چھاگل - جھانجھن وغیرہ) سے آواز پیدا ہوجائے - یہ وہ اشیائے زینت ہیں جو شلوار وغیرہ سے ڈھکی رہتی ہیں - باقی رہیں وہ اشیائے زینت جو اوپر کے حصے میں پہنی جاتی ہیں ، سو ان کے لئے کہدیا کہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (۲۴/۳۱) - وہ اپنے سر کی چادروں کو جیب گریبان (سینے پر) ڈال لیا کریں - دوسری جگہ ہے يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (۳۳/۵۹) - وہ اوپر اوڑھے ہوئے (یا اور کوٹ کی طرح پہنے ہوئے) کپڑے کو جسم کے ساتھ لگائے رکھیں -

ان اشیائے زینت کے اظہار کی ممانعت ، باہر کے لوگوں سے ہے - اپنے گھر کے لوگوں سے نہیں - (۲۴/۳۱) - اب رہیں وہ چیزیں جو خود بخود ظاہر ہوجاتی ہیں تو انکی مثال ہاتھ کی انگوٹھی یا کنگن کی سمجھئے - یا ناک کے کسی زیور کی - اس لئے کہ اوڑھنی یا جلباب سے ہاتھ اور چہرہ بہرحال کھلے رہتے ہیں اور قرآن نے انہیں چھپانے کا حکم نہیں دیا - بلکہ یہ جو اس نے کہا ہے کہ مرد اور عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں - انہیں بےباک نہ ہونے دیں (يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ۲۴/۳۰-۳۱) تو اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا منشا یہ نہیں کہ چہرہ کو بھی چھپایا جائے - اس لئے کہ اگر عورتیں اپنے چہرے کو بھی چھپا کر باہر نکلیں تو مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی -

یہ ہیں اظہار زینت کے متعلق قرآن کریم کی ہدایات - ممانعت ، نمود آرائش کی ہے - خود بخود ظاہر ہو جانے والی اشیائے زینت کی نہیں -

سورۃ ھود میں ھے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے خدا کو محض بطور ظِہْرِیًّا (11/92) رکھ چھوڑا ھے۔ یعنی تمہارے نزدیک اھمیت تو تمہارے اپنے فیصلوں کی اور انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی ھے لیکن خدا کو (محض بطور Extra) ساتھ اس لئے رکھ چھوڑا ھے کہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو اسے بھی اپنے مفاد کے لئے استعمال کر لیا جائے۔ غور کیجئے کہ یہی چیز آج ھم پر بھی کس طرح صادق آتی ھے۔

سورۃ حدید میں اللہ کی ایک صفت اَلظَّاھِرُ بھی آئی ھے۔ ھُوَ الظَّاھِرُ (57/3)۔ اس میں اَلظَّاھِرُ کے معنی آنکھوں سے نظر آ جانے والا نہیں۔ اس لئے کہ جب بنی اسرائیل نے تقاضا کیا تھا کہ ھم اللہ کو جَھْرَۃً (اپنی آنکھوں سے) دیکھنا چاھتے ھیں (2/55) تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ ان کا تقاضا طِفلانہ ھے۔ خدا کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ لہٰذا یا تو اَلظَّاھِرُ کے معنی ھیں وہ ذات جس کی ھستی پر کائنات کی مرئی اور مشہود اشیاء دلیل ھیں یا اس کے معنی ھیں سب پر غالب۔ لیکن اُس کا غلبہ ایسا ھے کہ وہ غیر محسوس طور پر کام کرتا ھے۔ کیونکہ وہ اَلظَّاھِرُ کے ساتھ (اَلْبَاطِنُ) بھی ھے (57/3)۔ جیسا کہ (ب۔ط۔ن) کے عنوان میں بھی لکھا جا چکا ھے، خدا اپنے تخلیقی مظاھر (Created World) کی رو سے سامنے آتا ھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اشیائے کائنات خود خدا ھیں۔ مطلب یہ ھے کہ یہ اشیاء اپنے خالق کی ھستی کی علامات (آیات اللہ) ھیں۔ اور جو قانونِ خداوندی رگِ کائنات میں خونِ حیات بن کر دوڑ رھا ھے وہ اُس کے اقتدار و اختیار کی زندہ شہادت ھے۔ اسی اعتبار سے خدا اَلظَّاھِرُ ھے۔ لیکن خدا کی ذات کی کنہ و حقیقت سے کوئی واقف نہیں ھو سکتا۔ اس اعتبار سے وہ اَلْبَاطِنُ ھے۔ اس سے (Immanence and Transcendence of God) کا وہ مسئلہ بھی حل ھو جاتا ھے جو مفکرین الٰہیات کے لئے اس قدر وجہ پیچ و تاب بنا رھتا ھے۔ یعنی یہ مسئلہ کہ خدا کائنات میں حاضر و موجود ھے یا اس سے الگ (کہیں اور۔ مثلاً عرش پر) بیٹھا ھے۔ وہ (اپنے قانون و اقتدار کے اعتبار سے) کائنات کے اندر ھے لیکن اس میں محبوس نہیں۔ اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) کائنات سے بالا ھے لیکن اس سے الگ (Excluded) نہیں۔ وہ بیک وقت اَلظَّاھِرُ بھی ھے اور اَلْبَاطِنُ بھی۔ (Immanent) بھی ھے اور (Transcendent) بھی۔ وہ اپنی ذات (Personality) رکھتا ھے لیکن مشخّص (Personified) نہیں۔ اس کا اقتدار، ایک توانائی (Divine Energy) ھے لیکن بغیر ذات (Personality) کے نہیں۔